Urdu Studies
An international, peer-reviewed, bilingual research journal
ISSN: 2583-8784 (Online)
Vol. 6 │Issue 1 │Year 2026
Pages: 162-176

اکبر الہ آبادی اور کلیم الدین احمد

سرور الہدی

Abstract. This paper examines Kaleemuddin Ahmad's critical assessment of Akbar Allahabadi's poetry, highlighting its significance in shaping a deeper understanding of Akbar's literary and intellectual vision. Ahmad acknowledges the historical relevance of Akbar's poetry but emphasizes that its lasting value lies in its creative quality rather than its immediate message. He interprets Akbar's satire as an integral part of his poetic expression and explores his cultural consciousness, commitment to tradition, and critique of mental subjugation under the influence of Western civilization. Ahmad also challenges the common perception that Akbar's poetry lacks seriousness or the capacity to express profound experiences of life. By examining these critical insights, the paper argues that Ahmad's observations offer significant new perspectives on the interpretation and appreciation of Akbar's poetry.

Keywords: Kaleemuddin Ahmad, Akbar Allahabadi, Urdu Criticism, Satire, Cultural Identity, Western Civilization, Poetic Vision

کلیم الدین احمد نے اردو شاعری پر ایک نظر (حصہ دوم) میں اکبر کی شاعری اور عہد اکبر کے مسائل سے بحث کی ہے۔ اکبر سے متعلق کلیم الدین احمد کی اس تحریر کی تاریخی ہی نہیں بلکہ عصری معنویت بھی ہے۔ لیکن عام طور پر اکبر کے بارے میں کچھ لکھتے اور بولتے وقت اس تحریک کا خیال کم

ISSN: 2583-8784 (Online)
Formerly UGC-CARE Listed since October 2021
Published on October 23, 2026
http://www.urdustudies.in
https://creativecommons.org/licenses/by-nc-nd/4.0/

ہی آتا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ کلیم الدین کے کچھ تنقیدی خیالات ہماری ادبی اور تنقیدی سرگرمیوں میں کچھ اس طرح دخیل ہوگئے ہیں کہ دیگر شعرا کے تعلق سے ان کی آرانگاہوں سے اوجھل ہوگئیں ہیں۔ کلیم الدین احمد کی بنیادی شناخت ہیئتی نقاد کی ہے لہٰذا ان کی تنقید کا خیال آتے ہی ہمیں ہیئت کا خیال آتا ہے۔ ہیئت ایک معنی میں ادبی وقتی سروکار بھی ہے۔ اسی لیے جب ہم کلیم الدین کو ہیئتی نقاد کہتے ہیں تو ذہن موضوعات سے کہیں زیادہ شعری طریقہ کار کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اکبر کے تعلق سے جو کچھ 'زمانہ' کانپور میں شائع ہوا اس کی ایک خاص اہمیت ہے۔ سید سلیمان ندوی اور عبدالسلام ندوی کی تحریریں بھی مطالعۂ اکبر کا اہم ترین حوالہ ہیں۔ آل احمد سرور کے مضمون سے بھی اکبر کے مطالعہ کی راہ ہموار ہوئی۔ کلیم الدین احمد نے اپنی کتاب میں آل احمد سرور کے مضمون سے دو اقتباسات درج کئے ہیں۔ انہوں نے آل احمد سرور کے چند خیالات سے اختلاف کرتے ہوئے اکبر کی شاعری کے ......پہلوؤں کی حمایت کی ہے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ شمس الرحمن فاروقی کے دونوں مضامین بہت بعد کے ہیں جو اکبر ہی نہیں بلکہ مجموعی طور پر ان کے بدلتے تنقیدی رویے کا اظہار ہیں۔ خواجہ محمد ذکریا کی اکبر پر کوئی کتاب موجود ہے۔ عبدالماجد دریابادی نے مختلف اوقات میں اکبر کے بارے میں جو لکھا تھا وہ ان کی کتاب "ذکر و فکر اکبر آبادی" میں دیکھا جاسکتا ہے۔ کلیم الدین احمد نے عبدالماجد کا بھی ایک اقتباس پیش کیا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ عبدالماجد دریا آبادی اکبر کے تعلق سے سب سے زیادہ معتبر ہیں۔ ان کی شخصی زندگی کے تعلق سے بھی ان کی بعض اطلاعات صرف ان ہی سے مخصوص ہیں۔ کلیم الدین احمد نے "اردو شاعری پر ایک نظر" میں اکبر کو اگر اتنی اہمیت دی ہے تو اس کا مطلب اور کچھ نہیں کہ اکبر کی شاعری ان کی نظر میں بہت اہم تھی، اور سرور صاحب کے خیالات کو انھیں رد بھی کرنا تھا۔ شمس الرحمن فاروقی (۲۰۰۲) نے اپنے مضمون میں لکھا ہے:

> اکبر کے لیے تاحیات جذبۂ تحسین رکھنے کے باوجود سرور صاحب بھی خود کو اس بات پر تیار نہ کرسکے کہ اردو کے عظیم ترین شعرا میں ان کے لیے جگہ استوار کی جائے (۲)۔

کلیم الدین احمد (۱۹۶۶) نے سرور صاحب کا اقتباس درج کیا:

> موجودہ نسل اکبر کی ادبی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے ان کے یہاں انبساط ذہنی کی جو چاندنی ہے اس کے حسن کو مانتے ہوئے ان کی تمدنی اور تہذیبی مصوری کی قائل ہوتے ہوئے بھی ان کے نقطۂ نظر اور ان کے پیام کو مان نہیں سکتی(۷۷)۔

کلیم الدین احمدؔ نے سرور صاحب کے اس نقطۂ نظر کو غیر ادبی اور غیر تنقیدی بتایا۔ حیرت اس بات پر ہے کہ شمس الرحمن فاروقی نے پیام والی بات کو یوں ہی جانے دیا اور سرور صاحب سے صرف یہ شکایت کی کہ وہ عظیم شاعروں کی صف میں اکبر کے لیے جگہ نہیں بنا سکے۔ اصل میں اکبر کی شاعری کے تعلق سے پیام والی بات کو کلیم الدین احمد کے یہاں آزمائش سے گزرنا تھا۔ کلیم الدین احمد نے ابتدا میں عبدالماجد دریابادی کے اقتباس کو درج کرکے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ وقت کس طرح شاعری پر اثرانداز ہوتا ہے۔ کلیم الدین احمد کی مغربیت یا ان کی مغرب پرستی تو آج بھی موضوع گفتگو ہے۔ مغربی افکار وخیالات سے اکبر کی بیزاری کا تجزیہ کرتے ہوئے وہ جذباتی نہیں ہوتے۔ وہ اکبر کی داخلی مجبوریوں کا بھی احساس رکھتے ہیں۔ انہوں نے نوآبادیاتی ذہن یا نوآبادیاتی صورت حال جیسی اصطلاحیں بھی استعمال نہیں کیں۔ اور نہ ہی نئی تہذیب، نئی روشنی کے تعلق سے تخلیقی یا تخیلاتی انداز اختیار کیا ہے۔ سرور صاحب نے جس پیام کا ذکر اکبر کی شاعری کے سیاق میں کیا ہے وہ مضمون کے اختتام تک سایے کی طرح ان کا پیچھا کرتا رہتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اکبر کی شاعری کو پیام کے ساتھ وابستہ کرکے سرور صاحب نے زیادتی کی ہے۔

عہد اکبر کے تعلق سے کلیم الدین احمد کے چند جملے ایسے ہیں جو مطالعۂ اکبر میں اولیت کا درجہ رکھتے ہیں اور انھیں بعد کی اکبر تنقید دہراتی رہی ہے۔ طنزیہ شاعری کے سیاق میں انھیں سودا کا خیال آتا ہے۔ اور سودا کی شاعری سے اکبر کی شاعری کا موازنہ کرتے ہیں۔ شمس الرحمن فاروقی نے سودا کا ذکر بعد کو کیا مگر کلیم الدین احمد نے دونوں کے حدود امکانات کو روشن کیا ہے۔ انگریزوں کے لیے لفظ "غیر" کو کلیم الدین احمد نے اس وقت استعمال کیا تھا جب اس کا چلن سیاسی طور پر آج کی طرح نہیں ہوا تھا۔ وہ جب عہد اکبر کا ذکر کرتے ہوئے انگریز اور انگریزی کا حوالہ دیتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کلیم الدین احمد کا انگریزی سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ خود کو بالکل الگ کرلیتے ہیں اور اکبر کے ایک

نقاد کے طور پر خود کو پیش کرنا چاہتے ہیں۔ گویا انگریزی تہذیب اور انگریزی ادب ان کی نگاہ میں جتنا بھی اہم ہو، اکبر کی شاعری کے مطالعے میں ایک فاصلے کی ضرورت ہے۔ کمال یہ ہے کہ وہ انگریزی زبان وادب کو برا بھی نہیں کہتے۔ کلیم الدین احمد کی غیر جذباتی، معروضی اور شفاف نثر ملاحظہ کیجیے:

> یہ وہ زمانہ تھا جب مختلف تمدنوں میں زبردست تصادم ہوا تھا اور اس تصادم کا نتیجہ یہ تھا کہ اسلامی تمدن کے شیرازے بکھرنے لگے تھے اور انگریزی تمدن اپنی دل فریبی کا سکہ لوگوں پر جمارہا تھا۔ اپنے محاسن فراموش ہو چلے تھے اور حسن غیر ہی بھلا معلوم ہوتا تھا۔ اکبر پرانے تمدن، پرانے نظام کے پرستار تھے اور وہ نئے تمدن، نئے نظام کے نقائص دکھانا چاہتے تھے اس لئے ان کی طنز کے سامنے ایک نامحدود میدان تھا۔ کیوں کہ انگریزی تمدن کا اثر زندگی کے ہر شعبہ پر چھایا ہوا تھا سودا کے سامنے یہ نامحدود میدان نہ تھا(۷۵)۔

تمدنوں کا تصادم، انگریزی تمدن کی دل فریبی، اپنے محاسن کا فراموش ہوجانا، حسن غیر کا بھلا معلوم ہونا، اکبر کا نئے نظام کے نقائص کو دکھانا یہ باتیں بظاہر کتنی سادہ اور سامنے کی معلوم ہوتی ہیں۔ سچ یہ ہے کہ یہ باتیں کلیم الدین نے پہلی مرتبہ کہی تھی کہ اکبر نئے تمدن کے خلاف نہیں تھے بلکہ ان کے نقائص کو اجاگر کرنا چاہتے تھے۔ اس بات کو بعد میں شمس الرحمن فاروقی نے اپنی زبان میں یوں پیش کیا:

> اکبر دراصل محض غیر ملک کی غلامی کے خلاف نہیں تھے بلکہ وہ نو آبادیاتی نظام کے خلاف تھے اور انہوں سرمایہ داری اور نو آبادیاتی نظام میں مضمر کئی بنیادی خطرات کو محسوس کر لیا تھا۔ وہ صرف رسماً انگریز مخالف نہیں تھے اور نہ ہی وہ محض قدامت پرستی کی بناپر مغربی تہذیب کے خلاف تھے(۲۰۰۹،۸)۔

کلیم الدین احمد آگے لکھتے ہیں:

> اکبر کا قدم پرانی تہذیب پر جما ہوا ہے اور وہ اس محفوظ اور مثبت مقام سے نئی تہذیب کی بڑھتی ہوئی فوج کا مقابلہ کرتے ہیں اور تن تنہا اس یلغار کو روکنا چاہتے

ہیں۔ اس مقصد میں اپنی فطری طنز و ظرافت سے مدد لیتے ہیں۔ ان کی تیز اور باریک نگاہیں دشمن کی کمزوریوں کو دیکھ لیتی ہیں اور وہ ان کمزوریوں، کڑیوں کو اپنی طنز و ظرافت سے قطع و برید کرتے ہیں(۷۶)۔

کلیم الدین نے اکبر کے قدم کو مثبت اور محفوظ مقام پر جما ہوا دکھایا ہے۔ ظاہر ہے کہ اسے ماضی یا روایت کا نام دینا مناسب ہوگا۔ عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ ماضی یا روایت پر اصرار رکنا ایک محفوظ مقام کی تلاش ہے جو انسان کو آزمائش سے بچاتا ہے۔ گویا روایت نئے خیال سے خوف پیدا کرتی ہے۔ اکبر کے لیے کلیم الدین احمد نے بہت غور و فکر کرنے کے بعد یہ دو الفاظ استعمال کیے۔ پرانی تہذیب، نئی تہذیب کے مقابلے میں یقینی بھی ہے اور اپنی جگہ مستحکم بھی۔ نئی تہذیب کے معاملے میں کچھ بھی یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا۔ کلیم الدین احمد نے اکبر کی اس استقامت پر نہ تو کسی طرح کی گرفت کی ہے اور نہ طنز کیا۔ اور نہ وہ کسی طرح کا ان سے تقاضہ کرتے ہیں کہ انھیں نئی تہذیب کو قبول کر لینا چاہئے۔ لفظ دشمن بھی انہوں نے اسی سیاق میں استعمال کیا ہے کہ اکبر کے سامنے دشمن کی فوج تھی۔ وہ تمام قسم کے ہتھیاروں سے لیس تھی اور اکبر تنہا مقابلہ کر رہے تھے۔ غور کیجیے یہ مقابلہ کتنا غیر متوازن تھا۔ مگر اکبر نے کبھی اپنے رویے سے یہ ظاہر نہیں کیا کہ وہ پریشان ہیں اور ان پر ترس کھانے کی ضرورت ہے۔ کلیم الدین احمد نے اس ضمن میں شبلی کا نام بھی لیا ہے کہ وہ بھی پرانے نظام کو اچھا سمجھتے تھے۔ کلیم الدین احمد اکبر کے پرانے نظام سے کسی طرح کی ہمدردی ظاہر نہیں کرتے۔ اسی لیے وہ اکبر کے وکیل معلوم نہیں ہوتے۔ قاری محسوس کر سکتا ہے کہ ایک ناقد خود کو ادبی معاملات میں کس طرح غیر جانبدار رکھتا ہے۔ شمس الرحمن فاروقی کے دونوں مضامین سے یہ راز کھلتا جاتا ہے کہ اکبر کا ناقد اکبر سے ایک دو شکایت کے باوجود اکبر کے تصور کائنات کی حمایت کر رہا ہے۔ عسکری نے بھی اکبر پر لکھتے ہوئے بڑی حد تک خود کو الگ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ یہ اور بات ہے بعد کو ان کے یہاں روایت کا جو تصور پروان چڑھا اس کی دنیا بہت تنگ ہوگئی جس کی مخالفت کلیم الدین نے بھی کی تھی اور شمس الرحمن فاروقی نے بھی۔

کلیم الدین احمد کو فکری اور نظریاتی طور پر اکبر کی ایمانداری کا شدید احساس تھا اور یہ بہت بڑی بات ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> وہ مغرب کا سودا نہیں کرنا چاہتے تھے اور وہ سمجھتے تھے کہ سرسید ہر قیمت پر مغربی قوموں کے دوش بدوش اپنی قوم کو لانا چاہتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ سرسید کے مخالف تھے۔ اکبر کا خیال تھا کہ ہم کو اپنے کارناموں، اپنی روایتوں اور اپنی قدروں پر بھروسہ کرنا چاہیے...... نئی تہذیب و تعلیم کی خامیوں کو آشکارا کرتے ہیں اور کسی قیمت پر بھی سمجھوتہ کرنے کے لیے تیار نہیں۔ وہ کسی چیز کو بھی نظرانداز نہیں کرتے اور معمولی سے معمولی بات کو بھی نہیں چھوڑتے۔ اسی وجہ سے اکبر کی شاعری اپنے عہد کی لاجواب، جیتی جاگتی تصویر ہے۔ اور اس عہد کی مختلف کشمکشوں کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ یہ اس کی تاریخی اہمیت ہے۔ اگر اکبر میں شاعرانہ خوبیاں نہ ہوتیں تو بھی ان کی شاعری ان کے عہد کی سماجی تاریخ کی حیثیت سے کافی اہمیت رکھتی (۷۶-۷۷)۔

"اپنے کارناموں، اپنی روایتوں اور اپنی قدروں پر بھروسہ کرنا چاہیے" کتنا سادہ سا اور معصومیت سے بھرا جملہ ہے۔ کلیم الدین احمد کے اس خیال کو نہ جانے ہمارے نقادوں نے کس کس طرح سے پیش کیا ہے۔ بھروسہ کرنا چاہیے میں تعلیم کے ساتھ یقین کی دولت بھی ہے۔ لیکن یہ تو کلیم الدین احمد اپنی زبان میں اکبر کی طرف سے کہہ رہے ہیں۔ اس تحریر کا یہ ایک ایسا جملہ جو اکبر کے تئیں کلیم الدین احمد کی دردمندی کا پتہ دیتا ہے۔ اس طرح کلیم الدین اکبر کی ادبی شخصیت اور ادبی روح تک رسائی حاصل کرلیتے ہیں۔ اکبر معمولی سے معمولی بات کو بھی نہیں چھوڑتے۔ یہ معمولی بات بعد کی دنیا کے لیے کتنی غیر معمولی ہوگئی۔ لیکن اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کلیم الدین احمد اکبر کے عہد کی صورتحال کو ایک سماجی اور تاریخی اسکالر کی حیثیت سے بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور بالآخر وہ اکبر کی شاعری کو سماجی تاریخ کے طور پر بھی دیکھنے کے لیے آمادہ ہیں۔ کلیم الدین احمد نے ترقی پسندوں کی شاعری کے لیے اتنی فراخدلی ظاہر نہیں کی۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اکبر کی شاعری میں سماجی اور تاریخی

حسیت یا حقیقت ہے۔ اس کے پیچھے کسی سیاسی حمایت کا نظریہ یا فلسفہ نہیں تھا۔ اکبر نے آزادانہ طور پر اپنی شاعری کا محاورہ بنایا۔ کلیم الدین احمد نے لکھا ہے کہ وہ مغرب کا سودا نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ بڑا طنز ہے سرسید پر۔ سماجی تاریخ کے طور پر بھی اکبر کی شاعری کو قبول کرنے والا نقاد آل احمد سرور کی رائے رد کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> اکبر کے نقطۂ نظر اور ان کے پیام کو ماننے نہ ماننے سے ان کی شاعری کی اہمیت اور قدر و قیمت پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔ افسوس ہے کہ ابھی تک پڑھے لکھے اور سمجھ دار نقاد اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور شاعری میں پیام ڈھونڈتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ پیام اقتضائے زمانہ کے مطابق بدلتا رہتا ہے اور شاعری کبھی نہیں بدلتی(۷۷)۔

شاعری کبھی نہیں بدلتی۔ پیام بدل جاتا ہے۔ اگر شاعری نہیں بدلتی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کچھ آفاقی شان ہوگی اور یہ آفاقیت اسلوب ہی سے نہیں فکر سے بھی پیدا ہوگی۔ مگر کلیم الدین احمد کی نظر میں جو شاعری ہمیشہ ایک جیسی اہمیت رکھتی ہے۔ اس کا مطالعہ موضوعاتی سطح پر بھی اگر کیا جائے گا تو بھی اس میں کچھ ایسے عناصر ہوں گے جو اسے شاعری بناتے ہیں۔ اکبر کی شاعری کے سیاق میں یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔ گویا اکبر کی شاعری سماجی، سیاسی اور تاریخی سیاق کے باوجود شعری حسن رکھتی ہے۔ شمس الرحمن فاروقی نے شکایت کی ہے کہ ہمارے نقاد طنزیہ شاعری کو بڑی یا اچھی شاعری نہیں سمجھتے۔ کلیم الدین سرور صاحب کے اس جملے کو سطحیت کا نمونہ بتاتے ہیں کہ "تخلیق ستاروں سے آگے دیکھتی ہے اور ظرافت ستاروں کو بھی زمین پر نوچ لاتی ہے۔" کلیم الدین احمد لکھتے ہیں:

> طنز بھی تخلیق ہے اور طنز نگار شاعر اور کسی دوسرے قسم کے شاعر میں فرق صرف خام مواد کا ہے طنز و تخلیق کا نہیں(۷۹)۔

اب کلیم الدین احمد کے چند مزید جملے ملاحظہ کیجیے:

> ان کا خیال درست ہو یا نادرست لیکن وہ نئی تہذیب کی ترویج میں تخریب کے آثار پاتے ہیں(۷۹)۔

اکبر کا خیال تھا کہ مغربی فیشن کی کورانہ تقلید ہلاکت کا پیش خیمہ ہے۔ ملک تو ہاتھوں سے جا ہی چکا تھا۔ مغرب ذہن پر بھی اپنا قبضہ جمارہا تھا۔ سیاسی غلامی، ذہنی غلامی کی پیغامبر تھی۔ اکبر سمجھتے تھے کہ اگر دماغ بھی گرفتار ہو گیا، اگر روح بھی غلام ہو گئی تو پھر ہندوستان کی قسمت میں ابدی غلامی لکھ دی جائے گی(۸۱)۔

اس اقتباس کے ساتھ شمس الرحمن فاروقی کو دیکھیے:

سچ پوچھیے تو اکبر اپنے زمانے کے ان چند لوگوں میں تھے جنھوں نے یہ بات دیکھ لی تھی کہ سرسید کے اصلاحی گوشوارۂ عمل اور لارڈ میکالی کے منصوبوں میں بہت کچھ مشترک تھا۔ اکبر خوب سمجھتے تھے کہ جس چیز کو ہندوستان میں نشاۃ ثانیہ کہا جارہا ہے یا کہا جائے گا وہ چھچھلی جدیدکاری کی ایک طاقتور لہر کے سوا کچھ نہیں(۲۰۰۲،۹)۔

کلیم الدین احمد نے مغرب کی تقلید کو اکبر کی شاعری کے حوالے سے تعلیم نسواں اور پردہ کا جو ذکر کیا ہے۔ اکبر کے مطالعے میں تکرار کے ساتھ ان باتوں کی طرف اشارا کیا گیا ہے۔ کلیم الدین احمد نے اکبر کی شاعری سے مثالیں پیش کی ہیں مگر وہ اکبر کو اس بنیاد پر برا نہیں کہتے۔ شمس الرحمن فاروقی نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ تعلیم نسواں کے سلسلے میں اکبر کے خیال سے متفق نہیں ہوں۔ کلیم الدین احمد حیرت انگیز طور پر اکبر کی ترجیحات سے خود کو الگ کر لیتے ہیں۔ ایک جملہ یہ بھی درج کیا ہے۔ ”لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یہ سیلاب رکنے کا نہیں۔“

جو منھ دکھائی کی رسموں پہ ہے مصر ابلیس
چھپیں گی حضرت حوّا کی بیٹیاں کب تک
جناب حضرت اکبر ہیں حامیِ پردہ
مگر وہ کب تک اور ان کی رباعیاں کب تک

کلیم الدین احمد نے مثالیں پیش کرتے ہوئے جو خیالات درج کئے ہیں ان سے اس گہری نظر کا پتہ چلتا ہے جو نفسیاتی پہلو کی تلاش سے پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً ایک مثال پیش کرنے کے بعد:

یہ موجودہ طریقے راہی ملک عدم ہوں گے

نئی تہذیب ہوگی اور نئے ساماں بہم ہوں گے

لکھتے ہیں،

"اور وہ اس خیال سے دل خوش کرتے تھے کہ نئی تہذیب پرانی تہذیب کے مقابلے میں کم قیمت ہوگی۔ لیکن کسی کو اس بات کا احساس بھی نہیں ہوگا(۱۹۶۶، ۸۴)۔

اب آگے چل کر بات مزید واضح ہو جاتی ہے۔

اکبر نے جو کچھ کہا وہ نا سمجھی اور ہٹ دھرمی کی بنا پر نہیں کیا۔ وہ ترقی کے خلاف نہ تھے۔ ترقی کی طرف قدم اٹھے اور ضرور اٹھے لیکن ذرا سوچ سمجھ کر۔ نئی چیزیں اچھی ہیں، پرانی چیزیں بری ہیں یہی نقطۂ نظر عام ہو چلا تھا وہ اس بے عقلی کے مخالف ہیں۔ ترقی کے خواہاں ہیں اور جدید قومیت کی تعمیر سے ہراساں نہیں(۸۵)۔

میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں کلیم الدین احمد کے ان خیالات کو دوسرے نقادوں نے اپنے اپنے طور پر پیش کیا۔

کلیم الدین احمد نے اکبر کی شاعری کے فکری مسائل پر اظہار خیال کرنے کے بعد یہ سوال قائم کرتے ہیں کہ اکبر کے فن کی نوعیت کیا ہے اور اس کی قدر و قیمت کیا ہے۔ اب انھیں اکبر کے یہاں سودا کے مقابلے میں زیادہ وسعت نظر آتی ہے اور اس لحاظ سے اکبر سودا پر فوقیت رکھتے ہیں۔ مگر مجموعی اعتبار سے اکبر کا آرٹ سودا سے کم رتبہ ہے۔ کلیم الدین کو یہ بھی احساس تھا کہ اگر وہ اکبر کے ساتھ سودا کا ذکر کر رہے ہیں تو انھیں دونوں کے عہد کی صورت حال کا حوالہ دینا ہوگا چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ سودا کی نظمیں ڈھیلی ڈھالی ہیں طولانی ہیں پھر بھی وہ نظمیں ہیں۔ یہ تو کلیم احمد کے تنقیدی ذہن کا بنیادی مسئلہ ہے۔ ان کے ایسے جملوں کو پڑھ کر حیرت نہیں ہوتی۔ سودا کی نظموں کی طوالت انھیں متاثر کرتی ہے اس کی وجہ فکر و خیال کو تخلیقی سطح پر دیر تک سنبھالنا اور پھر وسعت دینا ہے۔ وہ اکبر کے لیے "مختصر سانچے" کا ٹکڑا لکھتے ہیں اور یہ بھی لکھتے ہیں ان کے لیے زیادہ موزوں ہیں۔ پھر وہ ان سانچوں کو بھی کم مرتبہ کہتے ہیں۔ ان کے الفاظ دیکھیے:

> ان سانچوں میں وسعت اور پیچیدگی ممکن نہیں۔ ان کی تنگ دامانی ان کا اصل نقص ہے۔ اکبر کا آرٹ مختصر تصویریں یا نقشے بنانے کا ہے۔ اور یہ تصویریں حسین بھی ہیں اور موثر بھی اور اپنے مقصد میں کامیاب (۸۸)۔

اردو میں جو مختصر نظمیں آزادی کے بعد لکھی گئیں ان پر بھی کلیم الدین کی یہ رائے صادق آتی ہے۔ مختصر نظموں کی داخلی اور خارجی ساخت بعد کو ہماری تنقید نے موضوع بنایا لیکن اکبر کی شاعری کے سیاق میں یہ باتیں نئی تھیں۔ وسعت اور پیچیدگی مصرعوں کی صورت میں ممکن نہیں۔ لیکن کلیم الدین نے اس ضمن میں ایک نہایت ہی فکر انگیز بات لکھی ہے:

> وہ ان شعروں کے تراشنے میں کاوش سے مصرف لیتے ہیں اور جاں فشانی کے ساتھ ان کی جلا، تیزی، کاٹ تو حد کمال تک پہنچادیتے ہیں۔ کبھی کبھی یہ اشعار یا قطعے دماغ میں ہیجان پیدا کرتے ہیں اور ایک وسیع منظرنامے سامنے لا کھڑا کرتے ہیں۔ اور پڑھنے والا اس منظر کے پھیلتے ہوئے دامن میں گم ہو جاتا ہے (۹۱)۔

شاعری کے مختصر کینوس یا سانچے کو داخلی یا فکری سطح پر اس طرح پھیلتے ہوئے دیکھنا ایک ذمہ دار قاری کا پتہ دیتا ہے۔ اس کا اطلاق غزل کے اشعار پر بھی ہو سکتا ہے مگر انھیں اپنی یہ بات اکبر کی نظم تک محدود رکھنی تھی۔ یوں دیکھیں تو یہ نظر کلیم الدین کی تنقیدی نظر کا ایک ایسا حوالہ ہے جس کی طرف عموماً نگاہ جاتی نہیں۔ وسیع منظرنامے کا سامنے آنا اور اس کے پھیلتے دامن میں قاری کا گم ہو جانا یہ نظم کی داخلی ساخت کا معاملہ ہے۔ کلیم الدین احمد نے یہ تو نہیں کہا کہ فکری سطح پر اکبر کی مختصر نظموں کا دائرہ اس طرح پھیلتا ہے لیکن فکری دبازت اور تہہ داری کا اس سے تو ایک رشتہ ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کلیم الدین احمد نے پہلی مرتبہ اکبر کی طنزیہ شاعری میں وہ فکری گہرائی دیکھ لی تھی جس کے نہ دیکھ پانے کا شمس الرحمن فاروقی کو اردو تنقید سے گلہ تھا۔ اس ضمن میں اکبر کو بحال کرنے کے لیے لوگوں نے اکبر کی سنجیدہ شاعری، فکری شاعری، فلسفیانہ شاعری جیسے عنوانات قائم کئے۔ ایک طرح سے یہ احساس دلانا تھا کہ اکبر کی طنزیہ شاعری میں وہ گہرائی نہیں۔ یہ اقتباس بھی دیکھئے:

ان شعروں میں ایک مختصر سی بات نہیں۔ ہر شعر گویا تنگ رستہ ہے جس سے گزر کر ہم کسی وسیع میدان میں جا پہنچتے ہیں۔ جو باتیں ان شعروں میں کہی گئی ہیں وہ زیادہ اہم نہیں۔ اصل اہمیت ان باتوں کی ہے جو کہنے میں نہیں آتی ہیں، لیکن پڑھنے والا سمجھ لیتا ہے۔ یہ آرٹ سودا کی نظموں میں نہیں ملتا۔ سودا سب باتیں تفصیل کے ساتھ کہہ ڈالتے ہیں۔ اکبر کچھ کہتے ہیں باقی خیالات کی طرف اشارا کرتے ہیں (۹۱-۹۲)۔

کلیم الدین احمد نے اکبر کی شعری ہنرمندی کو موضوع سے الگ کر کے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ پرانی اور نئی تہذیب کا تصادم بعض ناقدین کے یہاں ذاتی مسئلہ معلوم ہوتا ہے۔ کلیم الدین احمد کی ہمدردی اکبر کے ساتھ اگر ہے بھی تو اس بنا پر کہ ایک شخص تنہا نظریاتی سطح پر جنگ لڑ رہا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ فوری طور پر جیت تو مخالف جماعت کی ہوگی۔ کلیم الدین احمد اکبر کے شعر کو تنگ راستہ بتاتے ہیں جس سے گذر کر وسیع میدان میں پہنچا جا سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ انھیں تنگی کا احساس کیوں ہوا اور تنگی کیوں کر وسیع و عریض دنیا کو وجود میں لانے کا سبب بن جاتی ہے۔ اصل میں کلیم الدین احمد اکبر کی شاعری سے ہیئتی سطح پر کچھ اور وسعت کا تقاضہ کرتے ہیں یا انھیں لگتا ہے کہ اکبر اگر چاہتے تو نظموں کے کینوس کو بڑا کر سکتے تھے۔ جہاں کینوس کچھ بڑا ہے وہاں انھیں بے ربطی نظر آتی ہے۔ کلیم الدین احمد کا یہ جملہ بہت اہم ہے کہ "جو باتیں ان شعروں میں کہی گئی ہیں وہ زیادہ اہم نہیں۔ اصل اہمیت ان باتوں کی ہے جو کہنے میں آتی نہیں ہیں۔" اسے خود کلیم الدین احمد نے اشارے کی زبان کہا ہے۔ طنزیہ شاعری میں اشارے کی گنجائش کتنی ہے اس بارے میں عموماً یہی سمجھا جاتا ہے کہ طنزیہ شاعری پہلی ہی قرأت میں فکری سطح پر واضح ہو جاتی ہے۔ اور یہ شاعری زندگی کے گہرے تجربے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی۔ ظاہر ہے کہ ایسا سمجھا جاتا ہے اور اکبر کی شاعری کے بارے میں بھی مجموعی طور پر ایسا ہی سمجھا گیا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اکبر کے اشعار اپنے مخصوص تاریخی اور تہذیبی سیاق کے سبب تازگی کا احساس دلاتے ہیں اور وقت کے ساتھ ان کی اہمیت بڑھتی جاتی ہے۔ کلیم الدین احمد نے بہت

پہلے اکبر کی شاعری میں بڑی شاعری کے عناصر تلاش کر لیے تھے۔ مگر ہمارے اہم ترین ناقد یہ خیال کرتے رہے کہ کلیم الدین کی مغرب پرستی نے اکبر کی مشرقیت کو کہاں خاطر میں لایا ہو گا۔

کلیم الدین احمد نے جن تین اشعار کو درج کرنے کے بعد ان شعروں تنگ رستہ مگر وسیع میدان تک پہنچنے کا وسیلہ کہا تھا وہ درج ذیل ہیں:

تھے معزز شخص لیکن ان کی لائف کیا کہوں
گفتنی درج گزٹ باقی جو ہے ناگفتنی
بتائیں آپ کو مرنے کے بعد کیا ہو گا
پلاؤ کھائیں گے احباب فاتحہ ہو گا
بوڑھوں کے ساتھ لوگ کہاں تک وفا کریں
لیکن نہ موت آئے تو بوڑھے بھی کیا کریں

دوسرے اور تیسرے شعر کا تعلق نئی تہذیب سے کتنا اور کس نوعیت کا ہے اس سلسلے میں پرجوش رویہ اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اکبر کے یہاں زندگی کے بعض بنیادی مسائل بھی در آتے ہیں اور انھیں بھی انگریزی تہذیب کے ساتھ نتھی کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ البتہ ایسی مثالیں بھی اکبر کی شاعری میں مل جاتی ہیں جو بہت خاموشی کے ساتھ نئی تہذیب سے نفی کی صورت میں رشتہ قائم کر لیتی ہیں۔ کلیم الدین احمد نے ہر جگہ مغرب اور مشرق کی کشمکش اور کشاکش کو دکھانے کی کوشش نہیں کی۔ کلیم الدین احمد اکبر کے تخیل کو تنگ بھی کہتے ہیں اور اس میں تیز پرواز بھی نظر آتی ہے۔ وہ اکبر کی شاعری میں پیچیدگی کے نہ ہونے کی شکایت کرتے ہیں۔ کلیم الدین کے نظریہ شعر میں جذبے کی شدت کو قابو میں رکھنے کی بڑی اہمیت ہے۔ انھیں اکبر سے یہ بھی شکایت ہے کہ وہ مختلف خیالات اور شدید جذبات پر قابو نہیں رکھ سکے۔ گویا فکر و نظر کو تخلیقی سطح پر سنبھال کر رکھنا چاہیے تاکہ نظم کی فکری و لسانی ساخت وسیع ہو سکے۔ وہ لکھتے ہیں:

> اگر اکبر میں غضب، نفرت، حقارت کا جذبہ ہوتا اور اگر وہ نظم کے صحیح مفہوم سے واقف ہوتے اور اس بات میں مغرب سے کچھ سیکھتے تو ان کی شاعری کی اہمیت زیادہ ہو جاتی(۹۲)۔

بالآخر کلیم الدین احمد نے مغرب سے سیکھنے کا مشورہ دے ہی دیا لیکن وہ نظم کے مفہوم کو مغرب سے سیکھنے اور سمجھنے کی بات کر رہے ہیں۔ کلیم الدین احمد یہ بھی لکھتے ہیں کہ ''وہ غزل گوئی کے عادی ہوگئے تھے اور اس لئے نظم کے فرائض انجام نہ دے سکے۔''کلیم الدین احمد کا بنیادی مسئلہ ہیئت ہے مگر وہ فکر کو ہیئت کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ بلکہ لگتا ہے کہ فکر ہی ہیئت ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ:

> کسی چیز کا مبہم ہونا اس کے حسن کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ پھر ہر تفصیل پھیکی نہیں ہوتی دی ریپ اوف دی لوک اور سودا اور اکبر کی نظموں میں فن کے اعتبار سے آسمان زمین کا فرق ہے۔ اردو شاعروں میں یہ سکت نہیں کہ وہ اس قسم کی نظم لکھ سکیں اور اگر ان سے کہا جائے کہ بائرن کی ''ڈون جوان'' جیسی طویل نظم لکھیں تو پھر کیا ہو؟ اور یہ نظم اپنی طوالت کے باوجود بھی اشاروں سے بھری پڑی ہے(۹۷)۔

کلیم الدین احمد نے بائرن اور ان کی طویل نظم کا ذکر جس زمانے میں کیا تھا، مغرب سے فکری ولسانی سطح پر شناسائی کئی معنوں میں آج سے زیادہ تھی۔ اب تو ہم لوگ مغرب سے کم آشنائی کے باوجود اس بات پر ناراض ہیں کہ بائرن کا نام کیوں لیا۔

اس مطالعہ سے درجہ ذیل نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں۔

۱۔ کلیم الدین احمد اکبر کی شاعری کو تاریخی دستاویز کے طور پر قبول کرنے کو تیار ہیں۔

۲۔ مگر وہ لکھتے ہیں کہ اصل چیز شاعری ہے، پیام بدل جاتا ہے شاعری باقی رہتی ہے۔

۳۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اکبر کی شاعری کو اکبر کے شعری دائرہ کار میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔

۴۔ اکبر کی نظر میں مختلف موضوعات تھے اور اس اعتبار سے ان کی فکری دنیا محدود نہیں تھی۔

۵۔ اکبر کو اپنی تہذیبی اور ادبی روایت پر پورا بھروسہ تھا جس نے ان کے یہاں اعتماد پیدا کیا۔

۶۔ یہ ایک طرح کا ایماندارانہ رویہ بھی تھا۔

۷۔ وہ طنز اور تخلیق کو الگ الگ نہیں سمجھتے۔

۸۔ اکبر نے نئی تہذیب میں تخریب کے آثار کو دیکھ لیا تھا اور یہ ایک طرح سے مستقبل کی شاعری بھی تھی۔

۹۔ اکبر کی نظر میں سیاسی غلامی سے بڑی ذہنی غلامی تھی۔

۱۰۔ اکبر پردہ کی حمایت کرتے ہیں اور یہ قدامت پسندی نہیں ہے۔

۱۱۔ انھیں محسوس ہو گیا تھا کہ مغربی تہذیب کے اس سیلاب کو روکنا ممکن نہیں مگر اپنی سی کوشش تو کرنی چاہیے۔

۱۲۔ انھیں یہ اطمینان تھا کہ نئی تہذیب کم قیمت ہوگی۔

۱۳۔ نئی چیزوں کو ذرا سوچ سمجھ کر قبول کرنے کی ضرورت ہے۔

۱۴۔ یہ بیکار سی بات ہے کہ ہم اکبر کی شاعری میں اپنا نقطۂ نظر تلاش کریں۔

۱۵۔ اکبر زندگی کو وحدت کے طور پر دیکھتے تھے۔

۱۶۔ کلیم الدین نے اس دھوکے سے بھی نکالنے کی کوشش کی تھی اکبر کے یہاں سنجیدگی نہیں ہے اور اکبر کی شاعری زندگی کے گہرے تجربے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی۔

۱۷۔ اکبر نے سنجیدگی کا ایک الگ مفہوم متعین کیا۔

۱۸۔ کلیم الدین احمد نے اکبر کے تعلق سے کئی بنیادی اور اہم باتیں کہیں جو مطالعہ اکبر میں اولیات کا درجہ رکھتی ہیں۔

مراجع:

احمد، کلیم الدین۔ اردو تنقید پر ایک نظر (حصہ دوم)۔ پٹنہ: ایوان اردو۔ ۱۹۶۶۔

فاروقی، شمس الرحمن۔ "اکبر الہ آبادی، نو آبادیاتی نظام اور عہد حاضر۔" فکر و تحقیق (اکبر الہ آبادی نمبر)۔ نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان۔ جنوری تا مرچ، ۲۰۰۹۔ ص ۶-۲۱۔

ـــــ۔ اکبر نئی تہذیبی سیاست اور بدلتے ہوئے اقدار۔ نئی دہلی: ذاکر حسین کالج دہلی یونیورسٹی۔ ۱۲ فروری ۲۰۰۲۔

Sarwarul Hoda is a distinguished scholar, literary critic, editor, and researcher in Urdu language and literature. He is a Professor in the Department of Urdu, Jamia Millia Islamia, New Delhi. His principal areas of scholarly interest include Urdu literary criticism, literary history, and the editing of classical Urdu texts. His critical writings reflect a sustained engagement with the major trends, ideas, and personalities of Urdu literature.

Among his notable critical works are *Gumshuda Ma'ni Ki Talash: Mohammad Hasan Askari ka Tanqidi Mutala'a*, *Imdad Imam Asar*, and *Raftgan ka Suragh*. He has also made significant contributions to textual scholarship through his editorial work on *Diwan-e-Ashraf Ali Khan Fughān*, *Diwan-e-Imdad Imam Asar*, *Kulliyat-e-Waheed Akhtar*, and *Shahryar*. His research and editorial endeavours have contributed to the critical study, preservation, and understanding of Urdu literary traditions. Through his teaching, research, and publications, Prof. Hoda continues to contribute to the development of Urdu literary scholarship.